سے بے شبہ یہ کوشش اور دریافت بڑی وقیع چیز ہے ان وجوہ کے باعث یہ صرف ایک کتاب کا مقدمہ نہیں، بلکہ ایک مستقل علمی رسالہ ہے اور اس کے پیش نظر اگر اپنے ذوق کے مطابق کام کرنے کا موقع ملا تو نوجوان مرتب کے علمی مستقبل کے متعلق بہت خوش آیند توقعات قایم کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح عوام اور خواص دونوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔

ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں | از ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، تقطیع متوسط، ضخامت ۳۵۲ صفحات، کتابت وطباعت اعلیٰ قیمت مجلد -/۴/ پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی ۔۲۵

یہ وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نے مصنف کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مقالہ بہمہ وجوہ اس کا مستحق تھا۔ جیساکہ نام سے ظاہر ہے اس مقالہ کا موضوع ہندوستان کے اُن مفسرین کے حالات کا استقصا تھا جنھوں نے تفسیریں عربی میں لکھی تھیں، اس بنا پر وہ تفسیریں خارج از موضوع ہوگئیں جو فارسی اُردو یا کسی اور زبان میں لکھی گئی ہیں، لیکن اس کی تلافی اس طرح کی گئی ہے کہ اس کتاب میں مکمل تفسیروں کے ساتھ ان کتابوں یا رسالوں کو بھی شامل کرلیا گیا ہے جو قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی تفسیر یا متعلقات قرآن میں سے کسی ایک مبحث یا چند مباحث پر اصلاً یا بطور مقدمہ لکھی گئی ہیں پھر ایک باب اُن حضرات کے تذکرہ اور تراجم پر ہے جن کی نسبت یہ معلوم ہے کہ انھوں نے تفسیر لکھی تھی لیکن مصنف کو ان کی تفسیر کا سراغ کسی کتب خانہ میں نہیں مل سکا۔ اس آخری باب کے علاوہ شروع کے چار ابواب میں مکمل تفسیریں اجزائے قرآن کی تفسیریں، تفسیروں کی شرحیں اور ان کے حواشی اور متعلقات قرآن مجید کو الگ الگ ایک باب کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ ہر تصنیف کے ساتھ پہلے مصنف کا تعارف اور ترجمہ لکھا ہے اور اس کے بعد تصنیف کی خصوصیات اور اُس سے متعلق دوسرے مباحث

پر گفتگو کی گئی ہے اور نیز یہ کہ یہ تصنیف کس کتب خانہ میں اور کہاں کہاں ہے اس سلسلہ میں مصنف کے پیش رو ڈاکٹر زبیر احمد سے یا کسی اور سے اگر کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے یہ سارا مواد بڑی محنت و کاوش اور تحقیق سے جمع کیا گیا ہے۔ آخر کتاب میں پانچوں ابواب کے مشتملات کی مفصل فہرستیں اور ساتھ ہی ایک فہرست مآخذ کی شامل ہیں، زبان، شگفتہ، سلیس و رواں اور منضبط ہے، اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتاب اُردو لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے لیکن مصنف نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے نام کے آگے ۱۳۶۲ھ لکھا ہے، معلوم نہیں یہ کون سا سن ہے؟ کیوں کہ یہ نہ سن ولادت ہے اور نہ سن وفات، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کے کسی بیان کے لئے آبِ کوثر کا حوالہ دینا مقالہ کی علمی شان سے فروتر ہے۔

(بقایا صفحہ ۳۲۵)

طریقِ حکمرانی، ان کی اصلاحات و اجتہادات اور ان کی انتظامی و اصلاحی کارناموں کا بھی صحیح طور پر جائزہ لیا جا سکے اور اس کو نمایاں کیا جا سکے۔ پھر اس سب کو مؤثر اور دل نشین طریقہ پر پیش کرنے کے لئے ایک اچھا، رواں، اور شگفتہ قلم، دل آویز طرزِ تحریر اور عصری اسلوب بھی درکار ہے، خصوصیت کے ساتھ جب یہ کام انگریزی زبان میں انجام دیا جائے تو اس کی مشکلات، اور ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں اس لئے کہ اس زبان میں اس موضوع کی کتاب کا پڑھنے والا بعض بنیادی اور ابتدائی اصطلاحات سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس ماحول اور پس منظر سے بھی نا آشنا ہے جس میں یہ بالکل نئے طرز کا معاشرہ اور نئی شکل کی مملکت قائم ہوئی، جو نہ کوئی مطلق العنان سلطنت یا بادشاہی تھی، اور نہ پورے طور پر جدید معنی میں جمہوری اور عوامی حکومت۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔